بارھویں قسط

حسرت

جناب عابد رضا صاحب بیدار - رضا لائبریری - رام پور

(سلسلہ کے لئے مئی ۱۹۶۱ء کا برہان دیکھئے)

۱۹۳۶ء (جلد ۲۷)

میرے پیشِ نظر صرف ایک شمارہ ہے - جولائی تا ستمبر نمبر ۷-۸-۹ - جس میں:- انتخاب دیوان وزیر لکھنوی - میر کلو عرش - میر لکھنوی - نادر اکبر آبادی اور آباد لکھنوی - اور عرش گیاوی (م ۱۳ر جولائی ۱۹۳۶ء) نازش بدایونی (جولائی ۱۹۳۶ء) اور نوآ بدایونی (۲۴ر ستمبر ۱۹۳۶ء) کے انتقال کی اطلاعوں کے علاوہ تنقید رسائل و کتب کے ذیل میں:- ڈاکٹر اشرف (مہتمم صیغۂ خارجیہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی) کا ۱۶ صفحے کا کتابچہ "مسئلۂ فلسطین" اور کانگریس کمیٹی کے صیغۂ اطلاعات و سیاسی و اقتصادی کے سکریٹری کی حیثیت سے ڈاکٹر اشرف ہی کا ترتیب دیا ہوا پندرہ روزہ خلاصہ "کوائف ممالک غیر" بزبان انگریزی - کا تذکرہ ہے - اور اخبار "مستقل" کانپور کے نام سے ایک الگ رسالہ نمبر کے ساتھ اسی پرچے کے ضمیمے کے طور پر جلد ۲۷ نمبر ۷-۸-۹ کی حیثیت سے ۸ صفحے کا ایک خبرنامہ بھی شاملِ اشاعت ہے -

——— ۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء کے بارے میں میرے پاس کوئی اطلاع نہیں - [1]

---

[1] عبدالشکور کی ترتیب میں: ص ۲۳۵

۱۹۳۸ء کے مئی و جون کے شماروں میں مندرجہ مضامین کا حوالہ دیا ہے -

"اس میں نئی پود کی ترقی" "سوشلزم کیا چاہتا ہے" "چینی مسلمان اور کمیونسٹ اقتدار" - اور اکتوبر تا دسمبر ۱۹۳۸ء میں:- "پنڈت نہرو اور سوشلزم"

۱۹۳۹ء (جلد ۳۰)

جنوری تا اگست :-

• انتخاب تذکرۂ دیوان جہاں۔

• انتخاب دیوان توفیق حیدر آبادی۔

• رسائل وکتب :-

فرہنگِ عامرہ : مرتبہ عبد اللہ خاں خویشگی۔

بہارستان : ظفر علی خاں مجموعۂ کلام۔

• مستقل : یعنی ضمیمہ سیاسی اردوئے معلیٰ جنوری تا اگست۔

— مولانا حسرت کی (انگلستان سے ہندوستان کو واپسی)

— حسرت موہانی کا سفر یورپ۔

۱۹۳۹ء کے بقیہ پرچے غائب ہیں۔

۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۱ء غائب ہیں۔

۱۹۴۲ء (جلد ۳۴)

حسرت موہانی کا مجوزہ دستورِ اتحادیہ وفاقِ ہند۔

انتخاب کلام فضلی۔

انیسویں صدی کے آخری برس اور اس سے ایک سال پیشتر جو لوگ علی گڑھ میں تھے ان کو یاد ہوگا کہ ان ایام کے نو واردوں میں سے کوئی شخص بلحاظ شکل و شباہت وضع قطع اور چال ڈھال کے اس قدر دلچسپ نہ تھا جس قدر نواحِ لکھنؤ کا ایک طالب علم جسے صحبت اور مذاق نے "خالہ اماں" نام دیا تھا۔

چھوٹا قد۔ لاغر بدن۔ گندمی رنگ پر چیچک کے مٹے ہوئے داغ۔ عمر کا خیال کرتے ہوئے داڑھی کسی قدر نیچی، فراخ پیشانی اور چہرے کی مسکراہٹ قیافے کو ناگوار ہونے دیتی تھی۔ اس پر کلابتونی

ٹوپی، پرانی وضع کے چارخانے کا انگرکھا، مشروع کا تنگ پاجامہ جس کے پائنچے ٹخنوں سے اونچے، عینک اور چھڑی اضافہ کیجئے تو خالا اماں یا دوسرے لفظوں میں سید فضل الحسن حسرت موہانی کی صورت چشم تصور کے سامنے پھرنے لگے گی۔ عموماً تیز چلتے تھے۔ مگر جس طرح صاحب عصر جدید کے والد مرحوم "آہستہ خرام تھے مگر ضرورت کے وقت تیز بھی چل سکتے تھے" اسی طرح فضل الحسن آہستہ بھی چل سکتے تھے اور نوع حیوانات کی اس عام صفت سے محروم نہ تھے۔

علی گڑھ کالج نے اپنی ہستی کا منشا پورا کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہاں ہمیشہ چند تیز فہم حقیقت شناس ایسے پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ کسی کیرکٹر کو خواہ وہ کتنا ہی پیچیدہ کیوں نہ ہو ایک لفظ یا ایک نام سے ظاہر کر سکتے ہیں اس طرح کہ وہ نام موت تک اس صید بے گناہ کے گلے کا پھندا ہو جائے۔ بہت سے مشہور اور معزز لوگ ہیں۔ مگر بدون، بوم، یا جنتا، ان کے ناموں پر اضافہ کئے ہوئے ان کے عزیز ترین دوست بھی صاحب نام کو پہچان نہیں سکتے۔ غرض اس قسم کے ناموں میں کہ جن کی نسبت "الاسماء منزل من السماء" صادق آتا ہے ایک نام "خالا اماں" بھی تھا۔ ہمارے دوست کی ہیئت ظاہری تو اس نام کی مستحق تھی ہی، مگر جس چیز نے اس نام کو برخلاف دوسرے ناموں کے محض ظرافت و مذاق ہی کا ذریعہ نہیں بنا دیا تھا۔ بلکہ اس سے ایک لطیف ہمدردی اور بے تکلفی کا اظہار بھی مقصود ہوتا تھا وہ "فضل" کی مرنجاں مرنج طبیعت، خندہ روئی، عالم دوستی اور حسن پرستی تھی۔

ان اوصاف کے ساتھ ہی فضل ایک خوش عقیدہ مسلمان تھا۔ ایسا کہ پرانی وضع کے مسلمان اس کے کسی قول و فعل پر گرفت نہ کر سکتے تھے۔ صوم و صلوٰۃ کی پابندی اس کی زندگی کا جزء ضروری تھا۔ مگر برخلاف عوام کے اس سے اس کی شوخی طبع میں فتور نہیں آنے پایا تھا۔ بارہا دیکھا گیا کہ بے تکلفی کا جلسہ گرم ہے اور نماز کا وقت بن بلائے مہمان کی طرح آ پہونچا۔ فضل مسکراتے ہوئے اٹھے، معذرت بھی کرتے جاتے ہیں اور وضو بھی۔ یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو کر پھر آ بیٹھے۔ مگر ایسی حالتوں میں نماز بہت جلد پڑھتے تھے۔ بلکہ ان کے دوستوں کا خیال ہے کہ کلام مجید کی سورتوں کے بجائے ان کے اعداد بحساب ابجد پڑھ لیا کرتے تھے۔ بزرگان دین کے مزاروں کی ان کو ایسی ہی جستجو رہتی تھی جیسی ان کے عزیز دوست اساتذہ

قدیم کے دیوانوں کی۔ دہلی اور آگرہ میں کم مزار ایسے ہوں گے جن کی جالیوں میں قفل نہ چلتے یا نہ ہوں۔ غرض ان اوصاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی خوش نصیبی کہ پورا سال بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ "خالو ماں" نے عدم کی راہ لی اور اسکے بجائے "مولانا" بچے سے لے کر بوڑھے تک کی زبان پر جاری ہو گیا۔ کالج کی تاریخ القاب بخشی میں یہ ایسا واقعہ ہے جس کی نظیر نہیں .....

ایسے زمانے میں سید سجاد حیدر کی جدت پسند طبیعت نے انجمن اُردوئے معلی کی بنیاد ڈالی۔ کالج کی نفسیاتی زندگی میں فقط یہ ایک مجلس تھی جس میں علم دوست طبیعتیں عام ہواؤ ہوس کی مخرب اوقات کشاکش سے پناہ لیتی تھیں۔ ہفتہ میں ایک مرتبہ شاید اتوار کی شب کو ایک مقام مقررہ فرش و فروش سے آراستہ کیا جاتا تھا۔ اراکینِ مجلس اور دوسرے شائقانِ سخن خوش وضع انگرکھے، اچکنیں اور شیروانیاں پہنے، دوپلی ٹوپیاں سروں پر دئے ہوئے قرینے سے بیٹھ جاتے۔ شمع ایک ایک کے سامنے آتی اور وہ نظم و نثر تازہ کے پھول نذر کرتا۔ داد و تحسین اور آداب و تسلیمات کا انداز فنونِ لطیفہ کی سرحد تک پہنچ جاتا تھا۔ ایسی انجمن کی ترقی کے لئے مولانا سے بہتر رکن کون ہو سکتا تھا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں اردوئے معلی اور مولانا ایسے لازم و ملزوم ہو گئے کہ ایک کا خیال دوسرے کے بغیر ممکن ہی نہ معلوم ہوتا تھا۔ مولانا کی غزلیں مشاعرے کی جان اور ان کے مضامین مناثرے کی روح رواں خیال کئے جانے لگے۔ چنانچہ "متروک الفاظ" پر ایک سلسلۂ مضامین جو عرصے تک مخزن میں چھپا کیا اپنی جدت اور اندازِ تحریر کی دلنشینی کی وجہ سے مقبولِ خاص و عام ہوا۔

اُردو کی تقریر کا ملکہ مولانا میں بہت اچھا۔ یونین کلب کے بے اصول جتھے ان کی نگاہ میں بے وقت تھے اور آزادہ روی مسلک تھا۔ ایک مرتبہ انتخاب کے موقع پر بطور امیدوار آزاد کوشاں ہوئے مگر کامیاب ہوتے ہوتے رہ گئے۔ دوسری مرتبہ ایک فریق کی شرکت سے سکرٹری منتخب ہو گئے۔ مگر یہ جوڑ نبھ نہ سکا جس فریق سے مولانا نے شرکت کی تھی اُس کے اور مولانا کے خیالات و عادات میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ شکر رنجی پیدا ہوئی۔ اس سے نفاق اور نفاق سے منافرت۔ اسی حالت میں سکرٹری صاحب سے ایک نامبارک غلطی سرزد ہو گئی حریف تو تاک میں لگے ہی تھے۔ مجلس معتمدہ کا پورا اجلاس جس میں قیود و ضوابط

مسٹر چنگ اور مسٹر برون وغیرہ شریک تھے منعقد کراکر مولانا کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا۔

زمانۂ تعلیم ختم ہوا تو وظیفۂ قانونی کے لئے مولانا نے درخواست کی۔ مسٹر ماریسن نے نہ دیا۔ بورڈنگ ہوس میں بدستور رہنے کی اجازت چاہی، اجازت نہیں ملی۔ مایوسی اور افسردگی کا اس کے سوا کیا علاج تھا کہ شہر میں سکونت اختیار کر کے برسوں کی آرزو یعنی زبان اردو کی خدمت میں زندگی وقف کر دی جائے اور برائے نام قانون کے سبقوں میں بھی حاضر ہو جایا کریں۔

رسالہ اردوئے معلیٰ جاری ہوا اور آب و تاب سے جاری ہوا۔ دنیائے ادب نے حیرت و استعجاب سے دیکھا کہ ایک کم عمر نوجوان نے جو ابھی کل مکتب سے نکلا تھا صحائف اُردو کے لئے کیسے نئے راستے کھول دیئے ہیں۔ اپنے ذاتی رسالے کے ذریعے سے جدید شاعری اور اس کے قدر دانوں کو لے ڈالنا کون مشکل تھا۔ اکثر لحاظ سے پنجاب اس مفروضہ نیچرل شاعری کا مرکز تھا۔ مولانا حالی مدظلہ العالی کا وطن ایک حیثیت سے پنجاب ہی تھا چودھری خوشی محمد دہن کے پہاڑوں سے قدیم شاعری پر پتھر برسایا کرتے تھے۔ چنانچہ چھاٹا اور لنگوٹی پر وہیں کے اخباروں میں طبع آزمائیاں ہوتی تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک نیا ستارہ "اقبال" کی صورت میں طلوع ہوا تھا جس کی روشنی میں تسخیر کا عمل تھا۔ علی گڑھ منتھلی میں ایک مضمون "اردو زبان پنجاب میں" کا چھپنا مولانا کے لئے بہانہ ہو گیا۔ مہینوں تک کوئی پرچہ نہ نکلتا تھا جس میں فسانۂ آزاد کے فوجی کی طرح حسرت اور اُن کے تابعین کی سروہی اور کٹار مولانا حالی اور اقبال پر نہ چلا کی۔ ان شیرانِ میدانِ سخن پر تو خیر یہ کیا اثر کر سکتی تھی تاہم چھوٹے مقلدوں کے سراسیمہ و حواس باختہ کرنے کو یہی کافی بلکہ اس سے بڑھ کر تھی۔ مگر میرا مقصد اس بیان سے کیرکٹر کے غلبے کی ایک خوبصورت مثال پیش کرنا ہے۔

کالج میں کوئی عظیم الشان تقریب تھی۔ نواب محسن الملک کے اصرار پر مولانا حالی بھی اس میں شرکت کی غرض سے تشریف لائے اور حسب معمول سید زین العابدین مرحوم کے مکان پر فروکش ہوئے۔ ایک صبح حسرت دو دوستوں کو ساتھ لئے ہوئے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چند سے ادھر اُدھر کی باتیں ہوا کیں۔ اتنے میں سید صاحب موصوف نے بھی اپنے کمرے میں حسرت کو دیکھا۔ ان مرحوم میں لڑکپن کی شوخی اب تک باقی تھی۔ اپنے کتب خانے میں گئے اردوئے معلیٰ کے دو تین پرچے اٹھا لائے۔ حسرت اور اُن کے

دوستوں کا ماتھا ٹھنکا کہ اب خیر نہیں اور اُٹھ کر جانے پر آمادہ ہوئے مگر زین العابدین کب جانے دیتے تھے خود پاس بیٹھ گئے۔ ایک پرچے کے ورق اُلٹنے شروع کئے اور مولانا حالی کو مخاطب کر کے حسرت اور اُردوئے معلیٰ کی تعریفوں کے پُل باندھ دیئے۔ کسی کسی مضمون کی دو چار سطریں پڑھتے اور "واہ" "خوب لکھا" کہکر داد دیتے تھے۔ حالی بھی ہوں۔ ہاں سے تائید کرتے جاتے تھے مگر حسرت کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

اتنے میں سید صاحب مصنوعی حیرت بلکہ وحشت کا اظہار کر کے بولے "ارے مولانا، یہ دیکھئے آپکی نسبت کیا لکھا ہے" اور کچھ اس قسم کے الفاظ پڑھنا شروع کئے " سچ تو یہ ہے کہ حالی سے بڑھ کر مخرب زبان کوئی ہو نہیں سکتا اور وہ جتنی جلدی اپنے قلم کو اُردو کی خدمت سے روکیں اتنا اچھا ہے" فرشتہ منش حالی ذرا مکدر نہیں ہوئے اور مسکرا کر کہا تو یہ کہا "نکتہ چینی اصلاح زبان کا بہترین ذریعہ ہے اور یہ کچھ عیب نہیں" کئی روز بعد ایک دوست نے حسرت سے پوچھا کہ حالی کے خلاف اب بھی کچھ لکھو گے۔ جواب دیا کہ جو کچھ لکھ چکا ہوں اسی کا ملال اب تک دل پر ہے"۔۔۔۔۔

'خانی خاں' کے نام سے زمانہ دسمبر ۱۹۰۰ء میں ایک مضمون "حسرت موہانی" شائع ہوا تھا۔ مندرجہ بالا سطروں میں اس مضمون کے اہم حصے جوں کے توں نقل کر دیئے گئے ہیں" خانی خاں' والا مضمون سجاد حیدر یلدرم کا لکھا ہوا ہے۔ یہ مجھے ابوالخیر کشفی صاحب نے بتایا اور خود انھیں حسرت نے بتایا تھا۔

قصبہ موہان ضلع اناؤ میں ۱۲۹۸ھ[ل] میں مولانا حسرت کی ولادت ہوئی۔ قرآن مجید اور فارسی کی تحصیل گھر ہی پر کی۔ اُردو مڈل میں تمام صوبہ میں ممتاز رہنے کے سبب وظیفہ حاصل کیا۔ فتحپور، ہسوہ گورنمنٹ ہائی اسکول میں داخل ہو کر انٹرنس کا امتحان خاص امتیاز کے ساتھ پاس کیا اور وظیفہ حاصل کیا۔ انگریزی تعلیم کے ساتھ محض اپنے شوق سے پرائیویٹ طور پر عربی فارسی کی تعلیم کو بھی مکمل کر لیا فتحپور میں برگزیدگاں و مقدس حضرات کا فیضِ صحبت نعمتِ عظمیٰ تھی۔ حسرت کی شاعری کی نشو و نما

ل عبدالشکور نے ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء لکھی ہے اور دوسری معتبر اطلاعوں کے مطابق صحیح تاریخ ۱۸۷۵ء کی جنوری یا مارچ ہے۔

اور اس کی پرورش بھی فتحپور ہی میں ہوئی ہے۔ ابتدائی شاعری کا بیشتر حصہ فتحپور اور اُس کے مضافات سے متعلق ہے۔ انٹرنس پاس کرنے سے پہلے ہی نہایت عمدہ شعر کہنے لگے تھے۔

بار بار آتا ہے یہ کس کا خیال بے خودی بنلا مجھے کیا ہو گیا

نا اُمیدی کا بُرا ہو آخر اب نہیں دل میں تمنا کوئی

چشمِ جاناں کے ہیں دنیا سے نرالے انداز جب نظر کرتی ہو اک لطف نیا ہوتا ہے

فتحپور سے انٹرنس کا امتحان پاس کرنے اور وظیفہ حاصل کرنے کے بعد یہ علی گڈھ چلے آئے اور کالج میں داخل ہو گئے یہاں بھی آپ ممتاز طالب علموں میں شمار کئے جاتے تھے اور کالج کی مشہور سوسائٹی یونین کلب میں اکثر اردو انگریزی میں تقریریں بھی کیں اور بعض مواقع پر قصائد اور نظمیں سنائیں جن کی نواب محسن الملک نے بارہا داد دی۔

۱۹۰۳ء میں کالج کی تعلیم سے فراغت حاصل کی اور بی اے کی ڈگری لیکر بجائے کسی دفتر میں کلرکی کرنے کے قومی خدمت گذاری کو اپنا واحد نصب العین بنایا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے اردوئے معلیٰ نکالا جو ادب و سیاست کے لئے اپنے وقت میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا۔ اس رسالے نے چار پانچ برس تک نہایت وقیع اور اہم سیاسی و ادبی خدمات انجام دیں اور آج جو غفلت شکن اور بیدار کن سیاسی روح مسلمانوں میں پائی جاتی ہے اس کا پہلا واعظ حسرت موہانی اور اس کا رسالہ اردوئے معلیٰ تھا۔

اردوئے معلیٰ پہلا اسلامی رسالہ تھا جس نے ملک میں صحیح سیاسی روح پھونکی اور چہل سالہ ہندو دل کی مخالفت اور حکومت کی بے جا خوشامد و تملق کی پالیسی کے خلاف جہاد شروع کیا۔ مگر اسلامی سیاسی حلقہ میں اُردوئے معلیٰ کو کبھی بار نہیں ملا اور نہ مولانا حسرت کی آواز اس کو کچھ زیادہ متاثر کر سکی بلکہ بسا اوقات سخت و شدید مخالفت کی گئی۔ اُردوئے معلیٰ کو گمراہ کن اور مولانا حسرت کو دیوانہ مُلّا کا خطاب دیا گیا۔ اس مخالفت میں وہ لوگ بھی شریک تھے جو آج حُریت و آزادی کے سالار قافلہ کہلاتے ہیں۔ مثلاً مسٹر شوکت علی حسرت کو دیوانہ مُلّا کہا کرتے تھے اور مولانا ابوالکلام اُن کے ایک ہمخیال دوست سید حیدر رضا صاحب دہلوی کو سودیشی قلی کے خطاب سے یاد کیا کرتے تھے۔

بقول بیگم حسرت موہانی، زمانہ طالب علمی ہی سے مولانا حسرت کو سیاسی تحریک کے ساتھ خاص دلچسپی اور ہمدردی تھی۔ چنانچہ بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے دوسرے ہی سال مئی ۱۹۰۴ء میں وہ بمبئی کانگریس میں بحیثیت ڈیلی گیٹ شریک ہوئے اور سورت کانگریس تک برابر شریک ہوتے رہے اور بمبئی، کلکتہ، بنارس کانگریس کی اردو رپورٹیں بھی کتابی صورت میں بطور ضمیمہ اردوئے معلیٰ میں شائع کیں لیکن سورت کے معرکۃ الآراء اجلاس کانگریس سے مسٹر تلک کے ساتھ ہی حسرت بھی علیحدہ ہو گئے اور اسی طرح کانگریس سے نفرت کرنے لگے جس طرح آغا خانی لیگ سے اپنے سیاسی عقائد کی بنا پر کرتے تھے لیکن لکھنؤ کے اجلاس مسلم لیگ کے بعد سے حسرت لیگ میں بھی شریک ہونے لگے۔

۱۹۰۸ء میں اردوئے معلیٰ میں ایک مضمون "مصر میں انگریزوں کی پالیسی" شائع کرنے کے جرم میں بغاوت کا مقدمہ دائر کیا گیا۔ اور دو برس کی قید سخت کی سزا دی گئی اور پانچسو روپیہ مزید جرمانہ کیا گیا۔ جرمانہ وصول کرنے کے لئے مجسٹریٹ نے حسرت کی نایاب اور نادر قلمی کتابوں کا ذخیرہ ساٹھ روپیہ میں نیلام کرا دیا۔

سزا میں ہائیکورٹ سے ایک سال کی تخفیف ہو گئی اور زرجرمانہ کے عوض مزید چھ ماہ قید سخت۔ پورے دس مہینے تک برابر روزانہ ایک من گیہوں مولانا کو پیسنے پڑتے۔ والد بزرگوار کے انتقال کی وجہ سے حسرت کے بڑے بھائی سید روح الحسن وکیل حیدرآباد دکن نے زرجرمانہ مجبوراً ادا کیا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کرتے تو وراثتہً جو قلیل جائداد حسرت کو ترکہ میں ملی تھی اس کو بھی مجسٹریٹ علی گڈھ نیلام کرا ڈالتے۔ اس طرح گویا چھ مہینے کی مدت اور گھٹ گئی اور صرف ایک سال جیل میں رہے اور اس تمام مدت میں چکی ہی کی سخت مشقت سے سابقہ رہا۔ (باقی)

غیر ملکی ممبران ندوۃ المصنفین اور خریداران "برہان" سے ضروری گذارش

پاکستان اور دیگر ممالک کے ممبران ادارہ کی خدمت میں پروفارما بل ارسال کئے جا رہے ہیں امید ہے فوری توجہ فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ نیاز مند (منیجر رسالہ برہان دہلی)